سے اسے تعلیم کے نہایت اعلیٰ مواقع میسر آئے اور اس طرح اس کا ابتدائی فکر جرمن یونیورسٹیوں میں پروان چڑھا اس وقت وہاں ہیگل (Hegel) کا طوطی بولتا تھا مارکس نے ہیگل کے فلسفہ سے بھرپور استفادہ کیا اس نے معاشیات میں ریکارڈو اور آدم سمتھ کے افکار سے استفادہ کیا۔

مارکس فکر کی اساس یہ ہے کہ اس کائنات کی اصل حقیقت مادہ ہے جو جواہر کے مجموعے سے عبارت ہے اس لئے کسی بالاتر ہستی کا وجود نہ صرف خلاف فطرت وعقل ہے بلکہ انسانیت کیلئے نہایت ہی مہلک ہے خدا خود کوئی قائم ہستی نہیں۔

بلکہ اس کے وجود کا اقرار انسان کی عاجزی اور درماندگی کا اعتراف ہے انسانی عقل جب اس کائنات کو سمجھنے سے عاجز آجاتی ہے۔ تو وہ مجبور ہوکر ایک بالاتر ذات کو تسلیم کرلیتی ہے۔

اس لحاظ سے خدا کا وجود دراصل قوانین طبعی سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔

مارکسی فکر کا پہلا عنصر تاریخ کی مادی تعبیر ہے۔ مارکس کے اس نظریہ کے مطابق کسی عہد کا معاشی نظام ہی تاریخ کے اس عہد میں معاشرتی زندگی کی اصل بنیاد ہے مذہب، تہذیب، فلسفہ حیات فنون لطیفہ، سب اسی کا عکس ہیں۔

معاشی نظام ہی حیات انسانی کے سارے مشاہدات کا اصلی خالق ہے۔ لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ پیٹ کے تقاضوں کے علاوہ بھی کچھ اور تقاضے ہیں مگر وہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔

انسانی زندگی کا اصل محرک صرف معاشی ضروریات ہیں مارکسی نے اس طرز فکر کو اپنے فلسفہ تمدن اور تاریخ سنگ بنیاد قرار دیا ہے۔

کیونکہ اس کے نزدیک زندگی کی تمام قدریں اسی کے توسط سے تخلیق پاتی ہیں۔

دین اسلام اس حقیقت سے انکار نہیں کرتا کہ معاشی تقاضے انسانی زندگی میں بڑا اہم مقام رکھتے ہیں۔

جس امر میں اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ تہذیب وتمدن کی ہر چیز ان تقاضوں کی کرشمہ سازی نہیں بلکہ اس کی تعمیر میں دوسرے عوامل بھی ہیں اسی طرح شامل ہیں جس طرح کہ معاشی، انسان کو حیات مستعار کی چند گھڑیاں گزارنے کیلئے کھانے کی ضرورت ہے۔

گرمی اور سردی سے بچنے کیلئے لباس درکار ہے۔ اور سر چھپانے کیلئے وہ مکان کو محتاج ہے۔

مگر یہ ضروریات زندگی اور ان کی فراہمی کی مختلف تدابیر اس کی ذہنی اور شعوری کیفیات کی تخلیق نہیں کرتیں۔

ایک مصور تصویر بنانے میں مختلف رنگوں سے کام لیتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مصور کے مختلف رنگ ہی اس کے آرٹ کے اصل خالق ہیں۔

یہ ہیں اشتراکیت کے اصل اغراض و مقاصد جس پر اس کے نظام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

نظام سرمایہ داری:

اسلام کے معاشی نظام کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ دنیا کے رائج الوقت معاشی نظاموں پر ایک نظر ڈال لی جائے اور پھر دیکھا جائے کہ اسلام نے جو معاشی نظام پیش کیا ہے وہ کن خصوصیات کا حامل ہے۔

آج دنیا میں تین بڑے معاشی نظام پائے جاتے ہیں۔

نظام سرمایہ داری۔ اشتراکی نظام۔

اسلام کا معاشی نظام۔

اب نہایت اختصار کے ساتھ ان تینوں کے اصول کا خلاصہ بیان کی جاتا ہے۔

نظام سرمایہ داری کی بنیاد جس نظریہ پر قائم ہے وہ صاف اور سرمایہ داری کی بنیاد جس نظریہ قائم ہے وہ صاف اور سادہ الفاظ میں یہ ہے۔

کہ ہر شخص اپنے کمائے ہوئے مال کا تنہا مالک ہے۔ اس میں دوسرے کا کوئی حق نہیں اس کو پورا اختیار حاصل ہے کہ اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔

جس قدر وسائل ثروت اس کے قابو میں آئیں انہیں صرف اپنی ذات کیلئے استعمال کرے۔

یہ نظریہ اس خود غرضی سے شروع ہوتا ہے جو ہر انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے اور آخر کار اس انتہائی خود غرضی تک پہنچ جاتا ہے جو انسان کی تمام ان صفات کو دبا دیتی ہیں جس کا وجود انسان کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری ہے۔

اس نظریہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تقسیم ثروت کا توازن بگڑ جائے وسائل ثروت رفتہ رفتہ سمٹ کر ایک زیادہ خوش قسمت یا زیادہ ہوشیار طبقہ کے پاس جمع ہوجائیں اور سوسائٹی عملاً دو طبقوں میں تقسیم ہوجائے ایک مالدار، دوسرا نادار، مال دار طبقہ تمام وسائل ثروت پر قابض ہوکر ان کو

> خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو صفا کی پہاڑیوں میں جو چرواہا اپنی بکریاں چراتا ہے اس کو اس مال میں سے حصہ پہنچے گا اور اس کیلئے اس کو کوئی زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی

محض اپنے ذاتی مفاد کیلئے استعمال کرے اور اپنی دولت کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی کوشش کرے۔

رہا نادار طبقہ تو اس کیلئے وسائل ثروت میں سے حصہ پانے کا کوئی موقع نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کا معاشی نظام ایک طرف ساہوکار کارخانہ دار، اور زمیندار پیدا کرے گا۔ دوسری طرف مزدور، کسان، اور قرضدار، ایسے نظام کی عین فطرت اس کی مقتضی ہے کہ سوسائٹی میں ہمدردی اور امداد باہمی کی سپرٹ مفقود ہو۔ ہر شخص صرف اپنے ذاتی مسائل سے زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو، کوئی کسی کا یارومددگار نہ ہو محتاج کیلئے معاش کا دائرہ تنگ ہوجائے سرمایہ داری کے اس نظام میں ناگزیر ہے کہ لوگوں کا میلان روپیہ جمع کرنے کی طرف ہو اور وہ اس کو صرف نفع بخش اغراض کیلئے استعمال کرنے کی سعی کریں مشترک سرمایہ کی کمپنیاں قائم کی جائیں بینک کھولے جائیں اور ان تمام معاشی تدبیروں میں ایک ہی روح کام کرے۔

یعنی روپے سے مزید روپیہ پیدا کرنا خواہ وہ تجارتی لین دین کے ذریعہ سے ہو یا سود کے ذریعہ سے، یہ ہے نظام سرمایہ داری کا کل تانا بانا جس سے یہ نظام تشکیل پاتا ہے۔

اشتراکی نظام:

سرمایہ داری کے عین قابل ایک دوسرا نظام معیشت ہے جس کو اشتراکی نظام کہتے ہیں اس کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ تمام وسائل ثروت سوسائٹی کے درمیان مشترک ہیں۔

اس لئے افراد کو ان پر مالکانہ قبضہ کرنے اور اپنی مرضی سے ان میں تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں اشخاص کو جو کچھ ملے گا وہ محض ان خدمات کا معاوضہ ہوگا جو سوسائٹی کے مشترک مفاد کیلئے وہ سرانجام دیں گے۔ سوسائٹی ان کے لئے ضروریات زندگی فراہم کرے گی۔ وہ اس کے بدلہ میں کام کریں گے۔

اس تنظیم میں شخصی ملکیت کا وجود نہیں نظام سرمایہ داری کا کارخانہ بنکنگ انشورنش اور ایسے ہی دوسرے اداروں کے بغیر نہیں چل سکتا۔

لیکن اشتراکیت میں نہ ان اداروں کی گنجائش ہے نہ ضرورت۔ اشتراکیت اور سرمایہ داری اپنے دو انتہائی نقطوں پر ہیں۔

سرمایہ داری افراد کو ان کے فطری حقوق ضرور دیتی ہے اس کے اصول و نظریات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو افراد کو جماعت کے مشترک مفاد کی خدمت کیلئے آمادہ کرنے والی اور تابحد ضرورت اس پر مجبور کرنے والی ہو۔

درحقیقت وہ افراد میں ایک ایسی خود غرضانہ ذہنیت پیدا کرتی ہے۔ جس سے ہر شخص اپنے مفاد کیلئے جماعت کے خلاف عمداً جنگ کرتا ہے۔

یہ نظام سرمایہ دار کو ختم کرکے ایک بہت بڑے سرمایہ دار کو وجود میں لاتا ہے یعنی اشتراکی حکومت یہ بڑا سرمایہ دار لطیب انفانی جذبات کی اس اقل قلیل مقدار سے بھی خالی ہوتا ہے۔ جو سرمایہ دار افراد میں پائی جاتی ہے۔

اسلام کا معاشی نظام:

اسلام ان دو متضاد معاشی نظاموں کے درمیان ایک معتدل نظام قائم کرتا ہے جس کی بنیاد اس بات پر رکھی گئی ہے کہ فرد کو اس کے پورے پورے شخصی وفطرتی حقوق بھی دیئے جائیں اور اس کے ساتھ تقسیم ثروت کا بھی توازن بگڑنے نہ دیا جائے۔

ایک طرف وہ شخص کو شخصی ملکیت کا حق اپنے مال میں تصرف کرنے کے اختیارات دیتا ہے دوسری طرف وہ ان حقوق اور اختیارات پر کچھ ایسی اخلاقی پابندیاں عائد کردیتا ہے۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ کسی جگہ وسائل ثروت کا غیر معمولی اجتماع نہ ہوسکے۔

دولت اور اس کے وسائل ہمیشہ گردش کرتے رہیں اس مقصد کیلئے اس نے معیشت کی تنظیم ایسے افراد پر کی ہے جو اپنی روح اپنے اصول اور اپنے طرق کار کے اعتبار سے سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں سے مختلف ہے۔

اس کا مقصد نہ تو یہ ہے کہ چند افراد کروڑ پتی بن جائیں اور باقی تمام لوگ فاقے کریں۔

اسلام جو معاشی نظام پیش کرتا ہے وہ مختصراً مندرجہ ذیل اصولوں پر مشتمل ہے۔

معاشیات اور اخلاق ومذہب:

سب سے پہلے اسلام فرد اور جماعت دونوں کے ذہن سے اس باطل نظریئے کو ختم کرتا ہے کہ اخلاق اور مذہب کا تعلق معاشی زندگی سے نہیں۔

قرآن پاک بڑے بلیغ انداز میں معیشت اور اخلاق کا تعلق بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو تم اللہ کی یاد کی طرف دوڑو اور لین دین چھوڑ دو۔ اگر تم جانتے ہو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ پھر جب اذان ختم ہوجائے تو تم زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (الجمعہ) آیت ۹-۱۰)

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر معاش کو فضل اللہ کہا گیا ہے۔

اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ مال

خدا کی عنایت سے ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ معاشی زندگی کو بھی اسی طرح خدا کی حدود کا پابند بنایا جائے جس طرح تمام زندگی کو مسلمان اپنی معاشی زندگی میں بھی حدود اللہ کا پابند اور ان اخلاقی ضابطوں کا احترام کرنے والا ہوتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے عائد کئے ہیں۔

اس لئے مسلمانوں کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ:

وہ لوگ جنہیں خرید و فروخت اور تجارت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

اسلام کا تصور ملکیت:

اسلام دولت وثروت کے تمام وسائل کو اصلا خدا کا دین اور اس کی ملکی تقرار دیتا ہے اس کے ساتھ ساتھ معاشی معاملات میں انسان کو انفرادی ملکیت اور تصرف کا حق دیتا ہے لیکن یہ حق غیر محدود نہیں ہے۔

تمام اموال دراصل خدا کی ملکیت ہیں اور اس نے عارضی طور پر چند شرائط کے ساتھ ان اشیاء کا حق ملکیت عطا کیا ہے یہ حق ملکیت انسان کے پاس خدا کی امانت ہے اس لئے اس میں تصرف کے اختیار کو بہت سی اخلاقی اور قانونی پابندیوں سے محدود کیا گیا ہے۔

قرآن نے جگہ جگہ مال کو مال اللہ قرار دیا ہے۔ اس لئے جس نے یہ مال دیا ہے اس نے اس کو بے حساب خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی۔

معاشی جدو جہد:

اسلام نے پوری کائنات کے انسان کیلئے میدان عمل قرار دیا ہے اور انسان کو ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے معاش کے حصول اور خلق خدا کیلئے زیادہ سے زیادہ جدو جہد کرے۔

اسلامی معاشیات میں کل پیداوار کی تکثیر اور خدا کے بندوں کیلئے سامان معاش کی زیادہ سے زیادہ فراوانی کا حصول بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

اسلام نے انسان کو مختلف طریقوں سے محنت معاشی جدو جہد اور حصول رزق کی کوشش پر اکسایا ہے اور اس طرح ہر شخص کو فروغ پیداوار کیلئے سرگرم عمل کر دیا ہے۔

بے روزگاری اور گداگری کی ممانعت:

اسلام میں بے عملی، بے روزگاری اور گداگری ناپسندیدہ قرار دیا گیا اور اس پر سخت وعید سنائی گئی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

تم میں سے کسی کو زیب نہیں دیتا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور رزق کی تلاش نہ کرے اور کہتا پھرے کہ اللہ مجھے رزق عطا فرما۔

تم کو دعا کے ساتھ اس کیلئے جدو جہد بھی کرنی چاہئے نبی اکرم ﷺ نے کسب حلال کے فریضۃ بعد الفریضہ یعنی نماز کے بعد سب سے بڑا فرض قرار دیا ہے آپ نے ایک صحابی کو خستہ حال دیکھا تو آپ نے اس سے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے؟

اس نے بتایا کہ دو درہم ہیں آپ نے ان میں سے ایک درہم کی کلہاڑی خریدی اور لکڑیاں کاٹنے پر لگا دیا یہی وجہ ہے کہ اسلامی فقہ میں معاشی جدو جہد کو فرض عین اور پیداوار کے فروغ دینے کی کوشش کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے اس سلسلے میں مختلف فقہاء کے نظریہ کو بیان کیا ہے اس کا خلاصہ الحسبۃ فی الاسلام میں اس طرح بیان کیا ہے۔

بہت سے شافعی اور حنبلی فقہاء مثلاً امام غزالی اور امام ابن جوزی نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ صنعتوں کا قیام فرض کفایہ ہے اس لئے کہ معاش کی تکمیل ان کے بغیر ممکن نہیں ہے صنعتوں کا قیام جہاد کی طرح فرض کفایہ ہے۔

حلال وحرام کا امتیاز

اسلام پیداوار کے اضافے اور معیشت کے ہمہ جہتی فروغ کی پالیسی اختیار کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی عائد کرتا ہے کہ آمدنی جائز ذرائع سے حاصل کی جائے۔

بہت سے شافعی اور حنبلی فقہاء مثلاً امام غزالی اور امام ابن جوزی نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ صنعتوں کا قیام فرض کفایہ ہے اس لئے کہ معاش کی تکمیل ان کے بغیر ممکن نہیں ہے صنعتوں کا قیام جہاد کی طرح فرض کفایہ ہے

ہر نفع کو جو حرام ذرائع سے حاصل ہو وہ جہنم کی آگ قرار دیتا ہے قرآن و حدیث میں رزق حلال کی جتنی اہمیت بیان کی گئی ہے اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں صرف جائز اور حلال رزق کے فروغ کی کوشش کی جائے گی اور ان تمام ذراع کا کلی انسداد کیا جائے گا جو حرام ہیں اور جن کو شریعت جائز قرار دیتی ہے۔

قرآن میں فرمایا ہے:

جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان

میں سے حلال اور پاک کھاؤ۔

حرمت سود:

اسلام کے بنیادی معاشی اصولوں میں سے ایک حرمت سود ہے جو معاشی ظلم کا سبب سے بڑا ذریعہ ہے۔

اسلام نے سود کو اس کی ہر شکل میں حرام قرار دیا ہے۔ سود مفرد ہو یا مرکب، ذاتی قرض پر دیا جائے یا تجارتی اور پیداواری قرضوں پر حرام ہے۔

اس کے لینے والے کو خدا اور رسول کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا ہے۔

رسول اکرم نے سود کھانے والے پر، سود کا کاغذ لکھنے والے پر، اور سود کے گواہوں پر لعنت بھیجی ہے۔ ان سب کو برابر قرار دیا ہے۔

ذخیرہ اندوزی کی ممانعت:

اسلام میں یہ بات ممنوع ہے کہ ضروریات زندگی کو روک رکھا جائے تاکہ ان کے دام بڑھ جائیں۔

ذخیرہ اندوزی اور احتکار کو اسلام نے سختی سے منع کیا ہے اور ایسا کرنے والے پر رسول خدا ﷺ نے لعنت بھیجی ہے اسلام نے تجارت کی وہ تمام شکلیں بند کر دی ہیں جن میں سے کسی دوسرے سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہو یا جن میں مناسب محنت کے بغیر دولت ہاتھ آ رہی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ سٹہ، لاٹری، اور جوئے کی تمام صورتیں اسلام میں ممنوع ہیں۔

اسراف کی بندش:

اسلام طلب حلال کے ساتھ ساتھ انسان کو جائز مصارف پر دولت خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے لیکن اسراف کا بے جا استعمال اور اس کا ضیاع رک جاتا ہے اور وہ تعمیری اور پیداواری مقاصد میں استعمال ہونے لگتی ہے۔

ارتکاز کی ممانعت اور زکوٰۃ کی فرضیت:

اسلام نے دولت کے ارتکاز کو پسند نہیں کیا ہے اور اس بات کا انتظام کیا ہے کہ مختلف معاشرتی، ادارتی، قانونی اور اخلاقی تدابیر سے دولت کی تقسیم زیادہ سے زیادہ منصفانہ ہو اور پورے معاشرے میں گردش کرتے قران میں فرمایا:

ایسا نہ ہو کہ یہ مال و دولت تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش کرتا رہے۔

زکوٰۃ:

زکوٰۃ ہر صاحب نصاب مسلمان مرد عورت پر فرض ہے۔ یہ خیرات نہیں بلکہ فقراء و مساکین کا حق ہے زکوٰۃ جہاں جب مال کو کم کرتی ہے اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے اور مال قربان کرنے کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔

وہیں معاشی نقطہ نظر سے یہ سماجی فلاح کی ایک ہمہ گیر اسکیم ہے جس کے ذریعے سے ملک وملت کے غریب و نادار افراد کی مدد کی جاتی ہے اور انہیں زندگی کی جدوجہد میں برابر کی شرکت کے لائق بنایا جاتا ہے۔

سرمایہ دارانہ ذہنیت یہ بات پیدا کرتی ہے کہ ہر شخص کی دولت صرف اسی کیلئے ہے اور معاشی دور میں جو پیچھے رہ جائے اور جو گر جائے اسے فنا ہو جانا چاہئے کشمکش حیات میں اسے زندہ رہنے کا حق ہے جو مسابقت میں دوسروں سے آگے بڑھ جائے اسلام اس ذھنیت کی نفی کرتا ہے۔

وہ کہتا ہے جو دولت تم کماتے ہو وہ صرف تمہاری محنتوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس میں فطرت کی بے شمار قوتیں شریک کار ہیں۔

جدید علم معیشت میں سماجی فلاح کا تصور بہت نیا ہے لیکن اسلام نے پہلے ہی دن سے فلاحی اور خدمتی ریاست کا تصور پیش کیا۔

اور زکوٰۃ کی شکل میں معاشرے کے کمزور اور مجبور انسانوں کی ضروریات کی فراہمی کی ضمانت دی اسلامی حکومت نے ابتداء میں اس نظام کو عملاً قائم کیا آبادی کی مردم شماری کی، ناداروں کے رجسٹر بنائے، ضرورت مندوں کو سرکاری وظیفے دیئے اور تھوڑے ہی عرصے میں یہ حال ہو گیا کہ بقول مورخ طبری زکوٰۃ دینے والے تو ہزاروں تھے مگر زکوٰۃ لینے والے نہ ملتے تھے۔

قانون وراثت:

اسلام نے وراثت کا جو قانون تجویز کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ متوفی کا ترکہ پورے خاندان میں ایک مناسب ترتیب کے ساتھ تقسیم ہو جاتا ہے اور ساری جائیداد مغربی ممالک کی طرح کسی ایک وارث کو نہیں ملتی اس طرح دولت کے ارتکاز کی بجائے اس کی منصفانہ تقسیم رونما ہوتی ہے قانون وراثت گردش دولت کا موثر ترین ذریعہ ہے۔

عدل اجتماعی کی ضمانت:

اسلام ریاست کے معاشی وظائف کا بھی ایک مثبت تصور پیش کرتا ہے۔ اور سماجی فلاح اور معاشی انصاف کے قیام کو اس کی اولین ذمہ داری قرار دیتا ہے۔

معاشی قانون سازی اور عدلیہ کی طاقتوں کے ذریعہ ریاست عدل اجتماعی قائم کرتی ہے جس کا کوئی وارث نہیں اس کی ریاست وارث ہے اور جس کا کوئی وار نہیں اس کی ریاست وارث ہے اور جس کا کوئی ولی نہیں اس کی ریاست

ولی ہے۔ ناداروں اپاہجوں اور محتاجوں کی مدد ریاست کا فرض ہے اور یہ بھی اس کی ذمہ داری ہے تمام شہروں کو ان کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرے حضور اکرم نے فرمایا۔ السلطان ولی من لا ولی لہ۔

حکومت ہر اس شخص کی ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ ایک اور حدیث میں فرمایا۔

جس مرنے والے نے ذمہ داریوں کا کوئی بار مثلاً قرض چھوڑا وہ ہمارے ذمہ ہے۔

حضرت عمر فاروق نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی۔ خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو صفا کی پہاڑیوں میں جو چرواہا اپنی بکریاں چراتا ہے اس کو اس مال میں سے حصہ پہنچے گا اور اس کیلئے اس کو کوئی زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی۔

خدا کی قسم اگر اہل عراق کی بیواؤں کی خدمت کیلئے زندہ رہا تو ان کو اس حال میں چھوڑ جاؤں گا کہ میرے بعد ان کو کسی اور امر کی مدد کی احتیاج باقی نہ رہے گی۔

حضرت علی نے اس کو اس طرح ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دولت مند لوگوں پر ان کے احوال میں اتنی مقدار مقرر کی ہے جو غرباء کیلئے کافی ہو سکے اس کے باوجود اگر وہ بھوکے، ننگے اور تنگ دست ہوں تو یہ صرف دولت مندوں کی عدم توجہی اور بخل کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ ان امراء سے قیامت کے دن محاسبہ کرے گا۔

ان احکام کے مطابق جو نظام قائم ہوتا ہے اس میں زمین اپنے خزانے اگل دیتی ہے اور آسمان اپنی نعمتوں کی بارو کرنے لگتا ہے اور افلاس و تنگدستی ختم ہو جاتی ہے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہوتا ہے۔ اے لوگو صدقہ دو کیوں کہ تم پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی صدقہ لئے پھرے گا مگر وہ کسی ایسے شخص کو نہ پائے گا جو اسے قبول کرے۔

یہ ہے اسلام کا معاشی نظام درحقیقت انسانیت کی نجات انہی اصولوں میں مضمر ہے۔ اس کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ اس کا مرکزی تصور انسان اور اس کی معاشی اور اخلاقی فلاح ہے۔

وہ معاشی ترقی کو اعلیٰ ترین مدارج تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ سماجی انصاف، آزادی اور اخلاقی ترقی کو اولین اہمیت دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس کا معاشی نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں سے اپنے مقصد اپنے مزاج اور اپنے اصولوں کے اعتبار سے مختلف ہے۔ اور ہر حیثیت سے ان سے اعلیٰ اور برتر ہے اسلام کے معاشی نظام کی ترجمانی کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو تیرے گدا دار و جسم
دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت
فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

بقیہ ابوجعفر المنصور

۳۔ زکوٰۃ
۴۔ مال غنیمت
۵۔ عشور وغیرہ

اموی دور میں جب خلفاء نے اپنے مصارف زیادہ بڑھا دیئے تو مزید محصول اور ٹیکس لگائے گئے۔

بعض مورخین نے خلیفہ منصور کے مالی ذرائع کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے۔

۱۔ خراج
۲۔ جزیہ
۳۔ زکوٰۃ وصدقات
۴۔ محصولات
۵۔ جہاز رانی اور ماہی گیری
۶۔ کشتیوں کا ٹیکس
۷۔ معدنیات کا پانچواں حصہ
۸۔ جنگی راہداری کا ٹیکس
۹۔ .... کی آمدنی
۱۰۔ زرعی پیداوار
۱۱۔ صنعتی ٹیکس

(تاریخ التمدن الاسلامی ج ۲ ص ۷۵)

جب سلطنت قائم ہوئی تو اس کا خلیفہ اول ابوالعاص سفاح فضول خرچ تھا۔ اور اس کے انتقال کے بعد جب ابوجعفر منصور خلیفہ ہوا۔ تو اس وقت سرکاری بیت المال خالی تھا۔ منصور اپنے پیشرو کے مقابلہ فضول خرچ نہیں تھا بلکہ کفائت شعار تھا اس لیے اس نے یہ کوشش کی کہ سرکاری آمدنی کو ضائع ہونے سے بچایا جائے چنانچہ اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں سرکاری بیت المال کو سونے چاندی سے بھر دیا۔ اور ملک کی آمدنی میں یہ اضافہ اس نے ظلم و ستم اور لوگوں کا مال لوٹ کر نہیں کیا۔ بلکہ اپنی دانش مندی اور ملکی دولت کے وسائل کو ترقی دے کر مسلسل عمل اور محنت سے یہ خوشحالی حاصل کی جو زراعت، صنعت، اور تجارت کی ترقی کی بدولت ہوئی۔

وفات

خلیفہ ابوجعفر منصور نے ۶ ذی الحجہ ۱۵۸ھ ۷۷۵ء کو مکہ معظمہ میں انتقال کیا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر ۶۳ سال تھی اور مدت خلافت ۲۲ سال۔ بنو عباس نے اس کے انتقال کے بعد ۵۰۰ سال تک حکومت کی۔ یعنی ۱۵۸ھ تا ۶۵۶ھ تک قائم رہی اور منصور کے بعد ۳۵ خلفاء اس کے جانشین ہوئے۔ جو سب کے سب اس کی اولاد میں سے تھے۔ (تاریخ ابن الخلفاء ص ۲۶۳)

غیر محرم عورت سے خلوت نشینی کے خطرات

ڈاکٹر عبدالغفور راشد

ہمارے معاشرے میں مرد و زن کے اختلاط اور غیر محرم سے خلوت و تنہائی میں میل ملاقات کو معیوب نہیں سمجھا جاتا اور سوسائٹی میں ستر و حجاب سے دستکش ہونے والی خواتین کو اعلیٰ تہذیب کا سمبل مانا جاتا ہے غیر تو غیر مسلمان گھرانوں میں بھی بے حجابی و بے نقابی رواج پا رہی ہے مگر اس کے نتائج ونقصانات کی قطعی پروا نہیں کی جاتی۔

عملی طور پر اس طرح ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے گھر سے باہر کسی کام کی غرض سے نکلتا ہے تو اپنی بیوی کی موجودگی میں نوجوان ملازم کو گھر چھوڑ جاتا ہے جبکہ بیوی پردے کی بھی عادی نہیں ہوتی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تنہا بیوی یا بیٹی کو ڈرائیور ملازم کے ساتھ بازار خریداری کیلئے بھیج دیا جاتا ہے۔

بسا اوقات اکیلی خاتون ڈاکٹر یا حکیم کے پاس چیک اپ کیلئے چلی جاتی ہے اور ڈاکٹر یا حکیم مرض کا معائنہ کرتے ہوئے ایسے سوالات بھی کر لیتا ہے جن کا انجام بہتر نہیں ہوتا۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ استاذ نوجوان طالبہ کو پڑھاتا ہے جب کہ طالبہ پردے کا تکلف بھی نہیں کرتی اور یوں بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص گھر میں موجود نہیں اس کی غیر موجودگی میں اس کا کوئی دوست ملاقات کی غرض سے آ جاتا ہے تو بیوی آنے والے سے لجاجت سے گفتگو کرتی ہے اور بے حجابی سے مہمان نوازی کرتی ہے۔

ہمارے معاشرے میں یہ رواج بھی عام ہے کہ گھریلو تقریبات میں مرد و زن کا بے محابا اختلاط ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا صورتوں میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے بلکہ صاحب درک و فہم شخص کو ایک فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ کیا یہ مرد و زن کا اختلاط جائز ہے؟ کیا اس بارے میں قران کی راہنمائی موجود نہیں؟ اور کیا ہمارے پیغمبر اعظمؐ اور راہبر کامل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے کوئی ارشاد نہیں فرمایا؟

جب اس بارے میں غور و فکر کریں گے اور بنظر غائر دیکھیں گے اور کتاب و سنت کا مطالعہ کریں گے تو پتہ چلے گا کہ غیر محرم عورتوں سے خلوت و تنہائی میں ہونے والی ملاقاتیں قطعی حرام ہیں، چاہے ملنے والے معززین اور اشراف ہی کیوں نہ ہوں۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید نے ایک صالح نوجوان کی خلوت کی منظر کشی کی ہے جس میں غیور نوجوانوں کیلئے عبرت کا سامان موجود ہے۔

قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت یوسفؑ عزیز مصر کے گھر میں تھے تو اس کی بیوی کس طرح تنہائی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بہکانے کی کوشش کرتی ہے۔

وراودته التي هو في بيتها عن نفسه وغلقت الابواب وقالت هيت لک (یوسف ۲۳)

اس عورت نے جس کے گھر میں یوسفؑ تھے یوسفؑ کو بہلانا پھسلانا شروع کر دیا کہ وہ اپنے نفس کی نگرانی چھوڑ دے اور دروازے بند کر کے کہنے لگی لو آ جاؤ۔

یہ آیت کریمہ مسلمان کے دل و دماغ کو بیدار کرتی ہے کہ کسی صورت میں بھی تنہا بیوی یا بیٹی کی موجودگی میں گھر میں کسی نوجوان ملازم کو نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ پھر تیسرا شیطان ہوگا جو مرد کے دل میں عورت کی اور عورت کے دل میں مرد کی محبت پیدا کرے گا جو جرم پر منتج ہوگی سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ بچا لے جیسا کہ اس کا ارشاد ہوتا ہے۔

ولقد همت به وهم بها لولا ان راىٔ برهان ربه (یوسف: ۲۴)

> ایسی عورت جو حلاوت ایمان کا ذائقہ چکھ چکی ہو اور رداء ستر سے اپنی عفت و حیاء کو سمیٹ چکی ہو اور کل قیامت کے دن اللہ کی [illegible] ہونے سے ڈرتی ہو تو کیسے ممکن ہے کہ وہ کسی غیر محرم شخص کے سامنے حصول علم کی غرض سے بے حجاب بیٹھ جائے